ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں بچاؤں گا۔اس زمانے میں کون ہے جس نے میرے سوا ایسا الہام شائع کیا اور اپنے نفس اور بیوی اور اپنے بچوں اور دوسرے نیک انسانوں کے لیے جو اس کی چار دیواری کے اندر رہتے ہیں خدا کی ذمّہ واری ظاہر کی۔(نسیم دعوت صفحہ 285)

Vår Gud er levende

Vår Gud er levende og Han er tilstrekkelig i seg Selv; Han taler til oss slik mennesker taler til hverandre. Og når vi spør Ham om noe og ber til Ham svarer Han oss med sin Kraft. Han vil aldri kvie seg fra å svare mennesket uansett hvor lenge en slik samtale vil vare. Hans svar inneholder ord som åpenbarer de merkeligste hemmeligheter, og ved hjelp av Sine overnaturlige krefter utløser Han mirakler i en slik grad at man blir nødt til å tro. Han løser de mest kompliserte problemer, og skjenker liv til de døende som et resultat av våre bønner. Og alt dette forteller Han oss om i forkant av at det skjer. Gud er kun Han som er vår Gud. Han åpenbarer om det kommende før det finner sted og beviser dermed at Han er himlenes og jordens Herre. Det er Han har henvendt seg til meg og åpenbart at han skal redde meg mot pesten, og samtlige av de som er i mitt hjem og lever et fromt. Hvem andre enn meg har i vår tid kommet med en slik åpenbaring om sitt eget sinn, sin hustru, sine barn og andre fromme mennesker som befinner seg innenfor mitt hjems fire vegger, og erklært at de skal være underlagt Guds beskyttelse og ansvar. (Naseem-e- Daw'at, s. 82)

تفسیر سورۃ الفاتحہ

(تفسیر بیان فرمودہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام، جلد اوّل)

☆ سورۃ الفاتحہ کے پانچ نام اور ان کی وجہ تسمیہ:

سورۃ الفاتحہ کے بہت سے نام ہیں ہے۔جن میں سے پہلا نام فاتحۃ الکتاب ہے۔اور اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ قرآن مجید اسی سورۃ سے شروع ہوتا ہے۔

☆ سورۃ الفاتحہ کا دوسرا نام سورۃ الحمد ہے۔کیونکہ یہ سورۃ خدا تعالیٰ کی حمد سے شروع ہوتی ہے۔

☆ سورۃ الفاتحہ کا تیسرا نام اُمّ القرآن ہے۔کیونکہ اس نے قرآن کریم کے تمام مضامین اور مطالب کو اپنے اندر سمویا ہوا ہے۔گویا قرآن کریم کی تمام تعلیم کا خلاصہ اس میں موجود ہے۔

قرآن مجید میں انسانوں کی راہنمائی کے لیے چار مضامین بیان ہوئے ہوئے ہیں:

1)علم مبدء 2)علم معاد 3)علم نبوت 4)علم توحید

یہ چاروں علوم سورۃ الفاتحہ میں موجود ہیں۔

☆ سورۃ الفاتحہ کا چوتھا نام اُمّ الکتاب ہے۔اس نام کے رکھنے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس میں روحانی اُمور کے بارے میں کامل تعلیم موجود ہے۔اُمّ الکتاب کہنے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس سورۃ میں انسانی فطرت کی سب ضرورتیں پیش نظر رکھی گئی ہیں۔اس سورۃ کے پہلے حصے میں اللہ تعالیٰ کی عزت اور عظمت کو ظاہر فرمایا ہے اور دوسرے حصے میں بندے کی عاجزی اور کمزوری کو ظاہر کیا ہے۔

☆ سورۃ الفاتحہ کا پانچواں نام **''سبع مثانی''** ہے۔اور اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورۃ کے دو حصے ہیں۔اس کا ایک حصہ بندے کی طرف سے خدا کی ثناء اور دوسرا حصہ فانی انسان کے لیے خدا تعالیٰ کی عطا اور بخشش پر مشتمل ہے۔ایک وجہ اس نام کی بعض علماء کے نزدیک یہ بھی ہے کہ یہ سورۃ تمام کتاب الٰہیہ میں امتیازی شان رکھتی ہے۔اور بعض کا خیال ہے کہ اس کا نام مثانی اس لیے ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ایسی سات آیات پر مشتمل ہے کہ ان میں سے ہر آیت کی قرأت قرآن کریم کے ساتویں حصے کی قرأت کے برابر ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جہنم کے سات دروازوں کی طرف اشارہ ہے۔اور ان میں سے ہر ایک دروازے کے لیے اس سورۃ کا ایک حصہ مقرر ہے۔جو خدا تعالیٰ کے حکم سے جہنم کے شعلوں کو دُور کرتا ہے۔پس جو شخص جہنم کے ان سات دروازوں سے محفوظ گزرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس سورۃ کی ساتوں آیات کے حصار میں داخل ہو۔ان سے دلی محبت رکھے اور ان پر عمل کرنے کے لیے خدا تعالیٰ سے مستقل مزاجی کی دُعا کرے۔علاوہ ازیں اس سورۃ کی سات آیات دنیا کی عمر کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ وہ سات ہزار سال ہے۔اور ہر آیت ہزار سال کی کیفیت پر دلالت کرتی ہے۔

سورۃ الفاتحہ کے خواص

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے ایک کشف کی بناء پر فرماتے ہیں کہ گلاب کے پھول کو سورۃ فاتحہ کے ساتھ ایک روحانی مناسبت ہے۔جس طرح گلاب کا پھول ظاہری طور پر بھی بے حد خوبصورت اور دلکش ہوتا ہے اور اس کے اندر بھی بہت سی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔اسی طرح سورۃ فاتحہ بھی ظاہری طور پر بھی بے حد خوبصورت، دلکش اور حسین ہے اور اس کے اندر بھی ان گنت خواص اور خوبیاں پائی جاتی ہیں۔یہ ایک حقیقت ہے کہ گلاب کا پھول جس قدر عمدہ خوبیاں اور خواص اپنے اندر رکھتا ہے۔اس کی مثال بنانا انسان کے بس کی بات نہیں۔اس کی خوبیاں دو طرح کی ہیں۔ظاہری طور پر دیکھنے میں اس کا رنگ خوش نما، خوشبو دلکش اور دل آرام، اور اس کی پتیاں نہایت ملائم اور تر و تازہ ہیں۔

دوسری وہ خوبیاں ہیں جو باطنی طور پر خدا تعالیٰ نے اس میں ڈال رکھی ہیں۔وہ دل کو طاقت بخشتا ہے۔تمام بدنی اعضاء معدہ، جگر، گردہ، رحم اور پھیپھڑہ کو بھی قوت بخشتا ہے۔بہت سی بیماریوں میں فائدہ مند ہے۔پس گلاب کی انہیں دو طرح کی خوبیوں کی وجہ سے اس کے بارے میں یہ اعتقاد کیا گیا ہے کہ وہ ایسی بے نظیر چیز ہے کہ ہرگز کوئی انسان اپنی طرف سے اس کی طرح کا کوئی پھول بنا سکے۔

اسی طرح سورۃ فاتحہ میں ظاہری اور باطنی دونوں طور پر بے نظیر خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ظاہری طور پر ہر ایک فقرہ اس کا نہایت وسیع معانی رکھتا ہے۔ہر ایک ترکیب اس کی اپنے اپنے موقع پر واقع ہے۔(یعنی ہر جملہ اپنی جگہ پر ہے) ہر طرح کی اعلیٰ سے اعلیٰ بلاغت اور خوش بیانی کامل طور پر اس میں موجود ہے۔(یعنی مختصر لفظ اور جملے میں بہت وسیع مضمون بیان کر دیا گیا ہے)

باطنی طور پر اس میں ایسے خواص ہیں کہ وہ بڑی بڑی امراض روحانی کا اعلاج ہے۔قوت علمی اور قوت عملی کو بڑھانے کا بہت سا سامان اس میں موجود ہے۔بڑے بڑے معارف اور دقائق اس میں موجود ہیں۔(یعنی گہری حکمت کی باتیں) اس کے پڑھنے سے یقینی قوت بڑھتی ہے۔اور شک و شبہ اور ضلالت کی بیماری سے شفا حاصل ہوتی ہے۔ایسی خوبصورت عبارت بنانا کسی انسان کا کام نہیں۔

سورۃ الفاتحہ کی آیات کی تفسیر

سورۃ فاالتحہ اور قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے تعوذ پڑھنا لازمی ہے۔تا کہ شیطان کے حملے سے بچا جا سکے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

یہ آیت سورۃ فاتحہ کی آیات میں سے سب سے پہلی آیت ہے۔ یہ آیت قرآن شریف کی دوسری سورتوں پر بھی لکھی گئی ہے۔اس آیت کی قرآن مجید میں بکثرت تکرار پائی جاتی ہے۔چونکہ اسلام میں یہ سنت بن گئی ہے کہ ہر کام کی ابتداء میں خیر و برکت چاہنے کے لیے اس آیت کو پڑھ لیتے ہیں۔اس لیے یہ آیت بہت شہرت پا گئی ہے۔اور اگر کوئی شخص تمام قرآنی آیات سے بے خبر بھی ہو تو اس آیت سے ضرور واقف ہوگا۔یہ آیت جن صداقتوں پر مشتمل ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خالق کائنات کا اسم اعظم جو کہ اللہ ہے ایسی ذات کے لیے بولا جاتا ہے جس میں تمام صفات کاملہ جمع ہوں۔جو معبودِ برحق اور واحد لاشریک ہے۔اس اسمِ اعظم کی بہت سی صفات ہیں۔ان میں سے دو صفات یعنی صفتِ رحمانیت اور صفتِ رحیمیت **بِسۡمِ اللّٰہ** میں بیان کی گئی ہیں۔انہیں دو صفات کے تقاضا سے کلام الٰہی اور اس کے انوار و برکات کا نزول ہے۔یعنی خدا کے پاک کلام کا دنیا میں اُترنا اور بندوں کو اس سے آگاہ کیے جانا صفت رحمانیت کا تقاضا ہے۔کیونکہ صفتِ رحمانیت بغیر کسی عمل کے، بخشش الٰہی کے جوش سے ظہور میں آتی ہے۔جیسا کہ خدا تعالیٰ سورج، چاند، پانی ،ہوا وغیرہ کو بندوں کی بھلائی کے لیے پیدا کیا ہے۔

دوسری صفت جو **بِسۡمِ اللّٰہ** میں موجود ہے وہ رحیم ہے۔یعنی وہ کوشش کرنے والوں کی کوششوں کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کی جدوجہد پر ثمراتِ حسنہ عطا کرتا ہے۔اور ان کی محنت کا پھل ان کو عطا فرماتا ہے۔

ایک اور صداقت جو کہ آیت **بِسۡمِ اللّٰہ** میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ یہ آیت قرآن کریم کے شروع کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے۔اور اس کے پڑھنے سے مقصد یہ ہے کہ تا اس ذات جو تمام صفات کاملہ سے متصّف ہے مدد طلب کی جائے۔

بِسۡمِ اللّٰہ میں جو دو بنیادی صفات رحمانیت اور رحیمیت بیان ہوئی ہیں یہ دونوں صفتیں ایسی ہیں کہ ان کے بغیر دین یا دنیا کا کوئی کام انجام کو نہیں پہنچ سکتا۔اگر غور کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کے تمام کاموں کے انجام کے لیے یہ دونوں صفتیں ہر وقت اور ہر لحظہ کام میں لگی ہوئی ہیں۔قرآن شریف کے شروع کرنے سے پہلے صفت رحمانیت سے برکت طلب کرنا اس وجہ سے ہے کہ وہ ذاتِ کامل اپنی رحمانیت کی وجہ سے ان سب اسباب کو محض اپنے لطف اور احسان سے میّسر کر دے جو کلامِ الٰہی کی مطابعت (پیروی) میں جدوجہد کرنے سے پہلے درکار ہیں۔جیسے عمر کا وفا کرنا،فرصت اور فراغت کا حاصل ہونا،طاقتوں اور قوتوں کا قائم ہونا۔کوئی ایسا عمل پیش نہ آجانا جو کہ آسائش اور امن میں خلل ڈالے۔غرض ہر طرح سے توفیق عطا کیے جانا۔یہ سب اُمور صفت رحمانیت سے حاصل ہوتے ہیں۔اور صفتِ رحیمیّت سے برکت طلب کرنا اس غرض سے ہے تا کہ وہ ذاتِ کامل اپنی رحیمیّت کی وجہ سے انسان کی کوششوں پر اچھے نتائج پیدا کرے۔اور انسان کی محنتوں کو ضائع ہونے سے بچاوے۔

پس اس طرح خدا تعالیٰ کی ان دونوں صفتوں رحمانیت اور رحمیت سے کلام الٰہی کے شروع کرتے وقت ۔ بلکہ ہر اچھے کام کی ابتداء میں تبرک اور مدد چاہنا نہایت اعلیٰ درجے کی صداقت ہے۔اس سے انسان کو توحید کی حقیقت حاصل ہوتی ہے۔اور اپنی جہالت بے خبری اور نادانی۔گمراہی اور عاجزی پر یقین کامل ہو کر قادر مطلق کی عظمت اور جلال پر نظر جا ٹھہرتی ہے۔اگرچہ یہ صفتیں خود بخود اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے انسان کے لیے یہ قانونِ قدرت مقرر کر دیا ہے کہ اس کی دُعا اور خدا سے مدد طلب کرنے کو اس کی کامیابی میں بہت سا دخل ہے۔پس صادق آدمی جس کی روح میں کسی قسم کا غرور اور عیب نہیں ہے،اور وہ اپنے آپ کو خدا کی مدد اور قدرت کے بغیر کسی کام کے انجام پانے کے لائق نہیں پاتا بے اختیار **بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔** کے ذریعے امدادِ الٰہی چاہتا ہے۔جس میں اللہ تعالیٰ کی وہ دو صفات موجود ہیں جو تمام صفاتِ عظمہ کا پورا پورا خلاصہ ہیں۔

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

اَلْحَمْدُلِلّٰه : تمام تعریفیں اس معبودِ حقیقی کے لیے ہیں کس کے اندر ہر طرح کی کامل صفات جمع ہیں۔ جس کا نام اللہ ہے۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں اللہ اس ذات کا نام ہے جو معبودِ برحق۔ تمام کامل صفات کا مالک، ہر طرح کی کمزوریوں اور بری باتوں سے پاک، اپنی ذات میں اکیلا۔ اور تمام فیض اسی سے پھوٹتے ہیں۔ اللہ نام میں اللہ تعالیٰ کی دوسری تمام صفات اور نام شامل ہیں۔ کسی اور نام کو یہ رُتبہ حاصل نہیں۔

پس **اَلْحَمْدُلِلّٰه** کا مطلب یہ ہوا کہ ہر قسم کی تعریف جو ظاہری طور پر ہو یا باطنی طور پر، ذاتی کمالات (خوبیوں) کے حوالے سے ہو، یا قدرتی عجائبات کے حوالے سے ہو، اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ اس میں اور کوئی دوسرا شریک نہیں۔ دنیا میں ایک انسان کی عقل جس حد تک کسی خوبی کو سوچ سکتی ہے، وہ خدا میں موجود ہے۔ اور ہر خوبی اس میں اعلیٰ درجے تک پائی جاتی ہے۔ حمد کے یہ بھی معنی ہیں کہ اوّل اور آخر میں سب احسان خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور اس دنیا میں بھی اور دوسری دنیا میں بھی سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔ اور اس میں یہ معنی بھی شامل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کامل طور پر تعریف کیا گیا ہے اور وہی تعریف کرنے والا ہے۔

لفظ حمد میں ایک اور اشارہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو مجھے میری صفات کے ذریعے پہچانو۔ اور میرے کمالات کے ذریعے مجھے پہچانو۔ مجھ میں کسی نقص کا تصوّر بھی نہیں۔ اور آسمانوں اور زمین میں کوئی ایسی قابل تعریف صفات نہیں پاؤ گے جو تمہیں میری ذات میں نہ مل سکیں۔ اور اگر تم میری قابلِ حمد صفات کو گننا چاہو تو ہرگز نہیں گن سکو گے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰه میں تمام شرک کرنے والوں کی تردید ہے۔ اور ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ بت پرستوں، یہودیوں، عیسائیوں اور دوسرے تمام مشرکوں کو سرزنش کرتا ہے کہ تم کیوں اپنے جھوٹے معبودوں کی حمد کرتے ہو یا اپنے بزرگوں کی تعریف بڑھا چڑھا کر کرتے ہو۔ کیا وہ تمہارے ربّ ہیں جنہوں نے تمہاری اور تمہاری اولاد کی پرورش کی ہے۔ یا وہ تمہاری مصیبتوں کو دُور کرتے ہیں۔ یا وہ بھلائی جو تمہیں مل چکی ہے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ بلکہ اللہ ہی ہے جو خوشیوں کی تکمیل کرنے، ہدایات کے اسباب مہیّا کرنے، دُعائیں قبول کرنے اور دشمنوں سے نجات دینے کے ذریعے سے تم پر رحم فرماتا اور تمہاری پرورش کرتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی الحمدللہ میں ایک یہ اشارہ بھی ہے کہ جس نے خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنالیا۔ اور اس کی خوبیوں اور کمالات کو نہ پہچانا وہ ہلاک ہو گیا۔ جیسا کہ نصاریٰ۔ پس یہ آیت نصاریٰ اور بت پرستوں کو غلط ثابت کرتی ہے۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْن

ربّ کا مطلب ہے پیدا کرنے والا اور ترقی کر کے کمال کو پہنچانے والا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت تمام عالموں میں جاری وساری ہے (کام کر رہی ہے)۔

انسانوں میں، جانوروں میں، پودوں میں، عالمِ ارواح اور عالمِ جمادات میں اور دوسرے تمام قسم کے عالَم اس کی ربوبیت سے پرورش پا رہے ہیں۔

انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ خاص احسان ہے کہ صفت ربوبیت کا سب سے زیادہ فائدہ انسانوں کو پہنچتا ہے۔ اگرچہ یہ تمام مخلوقات میں کام کر رہی ہے۔ کیونکہ انسان دوسری تمام مخلوقات سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ **عالَم** کے معنی ہیں جس کے متعلق عِلم اور خبر دی جا سکے۔ جو کسی پیدا کرنے والے پر دلالت کرے۔ اور اس پر ایمان لانے کے لیے طالبِ حق کو مجبور کر دے۔ **عالمین** سے مراد مخلوق کو پیدا کرنے والے خدا کے علاوہ ہر ہستی ہے۔ خواہ وہ عالمِ ارواح سے ہو، عالمِ اجسام سے ہو، خواہ زمینی مخلوق یا سورج چاند اور ان کے علاوہ دیگر اجرامِ فلکی میں سے کوئی چیز ہو۔ یہ تمام چیزیں خدا تعالیٰ کی ربوبیت میں داخل ہیں۔ عالم میں مختلف قومیں، زمانے اور ملک بھی شامل ہیں۔ اور یہ ان قوموں کا رَد بھی ہے جو خدا تعالیٰ کی عام ربوبیت اور فیض کو صرف اپنی قوم تک محدود رکھتے ہیں۔ مثلاً یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ خیال کہ جس قدر نبی آئے ہیں وہ صرف یہود کے خاندان سے آئے ہیں اور خدا دوسری قوموں سے کچھ ایسا ناراض رہا

ہے کہ غفلت اور گمراہی میں دیکھ کر بھی ان کی پرواہ نہیں کی۔ بعض قومیں ربوبیت کی منکر ہیں اور کہتی ہیں کہ ہمیں جو بھی ملتا ہے ہمارے اعمال کی وجہ سے ملتا ہے۔

خدا تعالیٰ تمام دنیا کا ربّ ہے۔ جس طرح اس نے جسمانی ضروریات اور تربیت کے لیے بغیر کسی فرق کے تمام مخلوق کے لیے سامان پیدا کیے ہیں جیسے اناج، ہوا، پانی، روشنی وغیرہ اسی طرح وہ ہر ایک زمانے میں ہر ایک قوم کی اصلاح کے لیے مُصلح بھیجتا رہا ہے۔ خدا تعالیٰ کی ربوبیت کسی خاص قوم تک محدود نہیں نہ کسی خاص زمانے تک، نہ کسی خاص ملک تک۔ خدا تعالیٰ کا فیض یکساں طور پر تمام قوموں ملکوں اور زمانوں میں پھیلا ہوا ہے تا کہ کسی قوم کو شکایت کا موقع نہ ملے۔ اسی لیے وہ ہر ایک قوم میں وحی، الہام اور معجزات کے ساتھ ظاہر ہوا تا کہ وہ اس سے ہدایت پا سکیں۔

اَلرَّحْمٰن الرَّحِیْم

اَلرَّحْمٰن :اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کی فطری ضرورتوں اور خواہشوں کو اس کی دُعا کے بغیر اور کسی عمل کے بغیر پورا کرتا ہے۔ مثلاً انسان کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے قیام و بقا کے لیے جن چیزوں کی ضرورت تھی ان کو پیدا کیا۔ آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، پانی، ہوا، یا بچہ جب پیدا ہوتا ہے اس کے لیے پہلے سے اس کی ماں کی چھاتیوں میں اس کے لیے دودھ کا انتظام کر دیا۔

سو رحمان وہ ہے جو بغیر عمل کے خود بخود عطا کرنے والا ہے۔ اور یہ صفت ساری کائنات میں کارگر ہے ان کے لیے بھی جو خدا کو نہیں مانتے۔ لہٰذا اللہ کی اس رحمت کا نام جو کسی انسانی کوشش یا انسانی عمل اور محنت کے بغیر انسان کو ملتی ہے، رحمانیت ہے۔

اَلرَّحْمٰن :اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک عمل کے بدلے میں نیک نتیجہ دیتا ہے۔ جیسا کہ نماز پڑھنے والا، روزہ رکھنے والا، صدقہ دینے والا اس دنیا میں بھی رحم پائے گا اور آخرت میں بھی۔

رحیمیت میں انسانی کوشش کو دخل ہے۔ یعنی جب ہم دُعا کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ دیتا ہے۔ وہ محنت اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا بلکہ اس کا نتیجہ اور پھل عطا کرتا ہے۔ یہ صفت انسان کی اُمیدوں کو وسیع کرتی ہے۔ اگر انسان کو یقین ہی نہ ہو کہ محنت اور کوشش کا کوئی فائدہ ہے تو وہ سُست ہو کر بیٹھ جائے گا۔

یہ صفت انسان کے لیے مخصوص ہے۔ دوسری چیزوں کو خدا تعالیٰ نے دُعا اور نیک اعمال کرنے کی صلاحیت نہیں دی۔ انسان کو نطق (بدلنے کی قوت) عطا کیا گیا ہے جو دوسری چیزوں کو عطا نہیں کیا گیا۔ انسان کی فطرت میں دُعا کرنا رکھا گیا ہے۔ ربوبیت اور رحمانیت کا تعلق تمام مخلوقات سے ہے صرف انسان سے نہیں۔ اس لیے ان میں دُعا کا دخل نہیں۔

رحیمیت خاص طور پر انسان کے لیے ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ میں ایک خاص قسم کا فیض ہے جو دُعا کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور دُعا کے بغیر نہیں مل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء ہمیشہ اپنی قوموں کے لیے دُعا مانگتے رہے۔

خدا کی راہ میں کوشش اور دُعا کرنے والے، اور غافل رہنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ دِل کی سچائی سے خدا کی راہ میں کوشش کرتے ہیں اور ظلم اور فساد سے دُور رہتے ہیں ایک خاص رحمت ان کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔

رحیمیت کا تعلق **صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ** سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا ہمیں ان انعام یافتہ لوگوں کی راہ دکھا جنھوں نے دُعا اور مجاہدات کے ذریعے تجھ سے قسم قسم کے معارف، حقائق، کشوف اور الہامات کا انعام پایا۔

رحیمیت کے مفہوم میں نقصانات سے بچنے کا انتظام بھی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ''اگر فضل نہ ہوتا تو نجات نہ ہوتی''۔

(تفسیر سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد اوّل صفحہ 120)

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن

مَـالِكِ يَـوْمِ الـدِّيْن کا مطلب ہے کہ انسان کو جزا یا سزا دینا خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کو پورا اختیار حاصل ہے چاہے تو پکڑ لے چاہے تو چھوڑ دے۔

مالک ایک ایسا لفظ ہے جس کے مقابل پر تمام حقوق ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ لفظ کامل طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے ہی استعمال ہو سکتا ہے، کیونکہ کامل مالک وہی ہے۔ خدا تعالیٰ کے عفو و درگزر کی یہ شان نہیں کہ وہ ہر بدی کی سزا دے۔ اور کوئی بھی مالک اس وقت تک مالک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے دونوں پہلوؤں یعنی سزا دینے اور معاف کرنے پر اختیار نہ ہو۔ مالک کا ایک یہ مطلب بھی ہے کہ انسان اس سے سوال نہیں کر سکتا کہ اس نے ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا۔ یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے۔ یہاں انسان کو مختلف آزمائشیں اور تکالیف آتی ہیں۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ جن کو اس دنیا میں تکالیف ملتی ہیں ان کو آئندہ عالم میں خوشی ملے گی۔ غرض خدا کے کام پر کسی کو اعراض کی گنجائش اور حق نہیں۔

جزا سزا دینا خدا کے اختیار میں ہے، **مَـالِكِ يَـوْمِ الدِّيْن** ۔ صرف یہ مراد نہیں کہ قیامت کو ہی جزا سزا ملے گی۔ جزا سزا کا معاملہ اسی دنیا سے شروع ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی چوری کرتا ہے تو دوسری یا تیسری دفعہ یا کبھی نہ کبھی پکڑا جاتا ہے۔ جو بھی برائی کرتا ہے اس کا نتیجہ پالیتا ہے۔ اور جو نیکی کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کو نیک بدلہ اسی دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن میں ان لوگوں کا رَدّ موجود ہے جو قیامت کے دن کے منکر ہیں۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن ۔غيرالمغضوبِ عَلَيْهِم ۔ کے بالمقابل ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے غضب اور اس کے انسان کو ضلالت اور گمراہی میں چھوڑ دینے کی حقیقت لوگوں میں مکمل طور پر جزا سزا کے دن کو ہی ظاہر ہوگی۔ جس دن خدا تعالیٰ اپنے غضب اور انعام کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے۔ **مَـالِكِ يَـوْمِ الـدِّيْـن** کے دو پہلو ہیں یعنی خدا تعالیٰ جسے چاہے گمراہ ٹھہراتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ پس تم دُعا کرو کہ وہ تمہیں ہدایت یافتہ بنا دے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُوَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْن

سورۃ فاتحہ کی ابتداء میں خدا تعالیٰ کی چار بنیادی صفات بیان کی گئی ہیں۔ رب العالمین، الرحمٰن، الرحیم، **مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن** ۔ ان صفات کو اُمّ الصفات بھی کہا جاتا ہے۔ ان چار صفات کے ذریعے اللہ نے تمام دنیا کا نظارہ دکھایا ہے۔ دنیا میں کوئی خالقیّت سے منکر ہے کوئی رحمانیت سے کوئی رحیمیت سے اور کوئی خدا کے **مَـالِكِ يَـوْمِ الـدِّيْـن** ہونے سے۔ اس قسم کا اختلاف تمام مذاہب میں ہے صرف اسلام ایک ایسا پاک مذہب ہے جس نے ان سب صفاتِ کو مکمل جمع کر دیا۔ انہیں چار صفتوں سے ربوبیت کی پوری شان نظر آتی ہے۔ ان چار صفات کے بعد **اِيَّاكَ نَعْبُدُوَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْن** آتا ہے۔ یعنی اے وہ خدا جو ان چار صفتوں کا مالک ہے ہم خاص تیری ہی پرستش کرتے ہیں۔ کیونکہ تیری ربوبیت تمام عالموں پر محیط ہے۔ تیری صفتِ مالکانہ بھی تمام عالموں پر محیط ہے۔ اور تیرے اس حسن اور احسان میں کوئی دوسرا شریک نہیں اس لیے ہم تیری عبادت میں بھی کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اللہ کا کوئی فعل ان چار صفتوں سے باہر نہیں اور یہ چار صفات اللہ کی پوری صفات دکھلاتی ہیں۔ ایسا خدا جو اپنے اندر یہ چار صفات رکھتا ہے وہی پرستش کے لائق ہے۔ اگر ان چاروں میں سے کوئی ایک صفت بھی نہ ہو تو خدا کی خدائی میں نقص آتا ہے۔

اور عاجز انسان خدا تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے کہ ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور اپنی ضرورتوں اور حاجتوں میں تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہم تیرے سوا نہ کسی انسان کو، نہ کسی بت کو، نہ ہی اپنی عقل و علم کو کچھ حقیقت سمجھتے ہیں۔

ان آیات میں ان نعمتوں پر شکر کرنے کی ترغیب ہے جو انسان کو دی جاتی ہیں۔ اور جن چیزوں کی انسان کو خواہش ہو ان کے لیے صبر کے ساتھ دُعا کرنے اور کامل اور اعلیٰ چیزوں کی طرف شوق بڑھانے کی ترغیب ہے تا کہ انسان شکر کرتا رہے۔ اس میں انسان کی طرف سے عاجزی، آس اور اُمید رکھ کر سوال، اور

اللہ کی حمد کرتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ کے سامنے ڈال دینے کی کیفیت ہے۔اس میں اس عاجزی کا بھی اقرار ہے کہ ہم تو تیری دی ہوئی توفیق کے بغیر عبادت بھی نہیں کر سکتے۔اور تیری مدد کے بغیر تیری رضا کی راہوں کو تلاش نہیں کر سکتے۔

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ دراصل انسانی فطرت کا اصل تقاضا اور مقصد ہے مگر وہ **اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ** کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔لیکن **اِیَّاکَ نَعۡبُدُ** کو **اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ** سے پہلے رکھ کر اور مقدّم کر کے یہ بتایا ہے کہ پہلے ضروری ہے کہ جہاں تک انسان کی اپنی طاقت، ہمت اور سمجھ میں ہو خدا تعالیٰ کی رضا کی راہوں کے اختیار کرنے میں کوشش کرے۔اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں سے پورا کام لے۔اور پھر خدا تعالیٰ سے اس کی تکمیل اور اس کے نتیجے کے لیے دُعا کرے۔گویا تدبیر اور دُعا دونوں کو باہم ملا دیا ہے۔یہی اسلام ہے۔

اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ

اس آیت میں بندے کو خدا سے ہدایت مانگنے کی ترغیب دی۔دراصل ہدایت پر ثابت قدمی خدا تعالیٰ سے دُعا اور گریہ وزاری کے بغیر ممکن نہیں۔اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ہدایت ایک ایسی چیز ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ملتی ہے۔جب تک خدا تعالیٰ بندے کی خود راہنمائی نہ کرے اور اسے ہدایت یافتہ لوگوں میں داخل نہ کرے وہ ہرگز ہدایت نہیں پا سکتا۔

قرآن شریف کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تین حصوں پر مشتمل تھی۔پہلے یہ کے وحشیوں کو انسان بنایا جائے،اور ان کو انسانی زندگی کے آداب سکھائے جائیں۔دوسرے یہ کہ انسانیت سے ترقی دے کر اخلاقِ کاملہ کے درجے تک ان کو پہنچایا جائے۔اور تیسرے یہ کہ ان کو محبت الٰہی کے مرتبے تک پہنچایا جائے اور باخدا انسان بنایا جائے۔اور اس راستے پر چلنے والوں کے لیے یہی آخری مقام ہے۔**اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ** کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ راستہ دکھا جس میں کوئی کجی نہیں۔(ٹیڑھا پن)

اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کا معنی ہے کہ انسان کی خواہشات اور ارادے سب کے سب خدا تعالیٰ کے لیے ہو جائیں۔اور اپنے جذبات اور نفسانی خواہشات بالکل مر جائیں۔استقامت (قائم رہنا) بہت ضروری ہے۔ہر چیز کا اپنے محل اور مقام پر ہونا استقامت ہے۔دوسرے لفظوں میں چیزوں کی طبعی ہیئت (قدرتی بناوٹ) کا نام استقامت ہے۔جب تک انسانی بناوٹ مستقیم حالت میں نہ رہے وہ اپنے اندر کمالات پیدا نہیں کر سکتی۔

غرض **اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ** کا مطلب ہے کہ اے ہمارے ربّ ہمیں سیدھا راستہ دکھا اور اسی راستے پر قائم رکھ جو تیری بارگاہ تک پہنچتا ہو۔اور تیری سزا سے بچاتا ہو۔صراط اس راستے کو کہتے ہیں جو سیدھا اور نزدیک ترین ہو،یقینی طور پر منزل تک پہنچانے والا ہو۔گزرنے والوں کے لیے وسیع ہو اور پہلے لوگ اس راستے سے گزر کر منزل پر پہنچ چکے ہوں۔یہی وجہ ہے کہ آگے **صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ**۔کہہ کر توجہ دلائی کہ انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر چلانا۔اب انعام کا کیا معنی ہے۔خدا تعالیٰ کی طرف سے کشف،الہام،سچے خواب اور مکالمات ومخاطبات (بات چیت کرنا) جن کے ذریعے انسان کا خدا تعالیٰ پر یقین بڑھے۔اور وہ اپنے ربّ کو اسی دنیا میں پہچان لے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اُمّ الکتاب یعنی سورۃ فاتحہ میں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اس سورۃ میں وہ ہدایتیں طلب کریں جو انبیاء کو نصیب ہوئی تھیں۔اور یہ ان کی کامل پیروی میں انہیں کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر ممکن ہو سکتا ہے۔اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے مقدر کر رکھا ہے کہ بعض نیک لوگوں کو اس امّت میں نبیوں کے نقشِ قدم پر مبعوث کرتا رہے گا (بھیجتا رہے گا)۔اور انہیں اسی طرح خلیفہ بنا دے گا جیسا کہ اُس نے اِس سے پہلے بنی اسرائیل سے خلفاء بنائے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں تین گروہوں کا ذکر کیا ہے یعنی منعم علیھم یعنی (نبی،صدیق،شہید اور صالح) یہود اور عیسائی۔اور ہمیں اس پہلے گروہ میں شامل ہونے کی ترغیب دی ہے اور باقی دونوں گروہوں میں شامل ہونے سے روکا ہے۔سورۃ فاتحہ ہمیں یہ بھی بشارت دیتی ہے کہ مسیح موعود اسی اُمّت میں سے ہوگا۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل اور احسان کے طور پر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ گویا اُمتِ محمدیہ کو خوشخبری دیتا ہے کہ تم میں پہلے انعام یافتہ لوگوں والی استعدادیں رکھی گئی ہیں، تم ان کمالات کو حاصل کرنے کے لیے مجاہدات کرو (کوشش کرو)۔

صِرَاطَ الْمُسْتَقِيْم کی دُعا سب سے ضروری ہے۔ کسی بھی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کوئی خاص راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ وہ مقصد اس طریقے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ **صِرَاطَ الْمُسْتَقِيْم** ایسی چیز ہے جس کے لیے محنت، کوشش اور دُعا کرنی چاہیے۔ خُدا تعالیٰ سے آخرت کی زندگی کے اجر حاصل کرنے کے لیے پہلے **صِرَاطَ الْمُسْتَقِيْم** کی دُعا کرنی چاہیے۔ یہ دُعا نماز میں بار بار اور تکرار کے ساتھ کرنی چاہیے۔

صراط مستقیم تین طرح کا ہے۔ علمی، عملی اور حالی۔ اور پھر ان تینوں کے آگے تین قسمیں ہیں۔

علمی، حقوق اللہ، حقوق العباد، حق النفس (نفس کا حق) کو پہچاننا ہے۔ یہ سمجھنا کہ یہ حقوق کیا ہیں۔

حقوق اللہ میں اللہ کو ایک جاننا، اسی کو تمام فیوض کا مبدء (یعنی ہر شے کی ابتداء اسی سے ہوئی) اور تمام خوبیوں کا جامع، یہ سمجھنا کہ وہ ہر عیب برائی اور نقصان سے منزّہ (پاک) ہے اور تمام صفاتِ کاملہ اُسی میں جمع ہیں اور اسی کو عبادت کے لائق جاننا ہے۔ یہ حقوق اللہ میں علمی **صِرَاطَ الْمُسْتَقِيْم** ہے۔

حقوق اللہ میں عملی صراط مستقیم یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت پورے اخلاص سے کرنا۔ اس میں کسی کو شریک نہ کرنا اور اپنی بھلائی کے لیے اسی سے دُعائیں مانگنا۔ اور اسی کی محبت کو ہر دوسری محبت پر فوقیت دینا۔

اسی طرح حقوق العباد میں علمی صراط مستقیم یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کو اُس کے بندے سمجھنا، بالکل فانی اور ناچیز خیال کرنا۔ اور عملی **صِرَاطَ الْمُسْتَقِيْم** یہ ہے کہ حقیقی نیکی بجالانا، خدا تعالیٰ کے اخلاق اختیار کرنے کی کوشش کرنا۔

حق النفس میں علمی **صِرَاطَ الْمُسْتَقِيْم**: کہ نفس (دِل) میں جو برائی پیدا ہوتی ہے جیسے تکبر، حسد، غرور، بخل، غفلت، ظلم ان سے خبردار رہنا اور ان کو اخلاقِ رذیلہ (بہت بُرے اخلاق) جاننا۔

اور پھر حق النفس میں عملی صراط مستقیم یہ ہے کہ ان اخلاق رذیلہ کا قلع قمع کرنا۔ (بُرے اخلاق کو ختم کرنے کی کوشش)

غرض صراط مستقیم ایک عظیم نعمت ہے۔ اگر بندے کو یہ حاصل ہو جائے تو اللہ کی نعمتیں اس پر پے در پے نازل ہوتی ہیں۔ جو اس نعمت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے اور اس پر ثابت قدمی کی توفیق پالے تو وہ ہر قسم کی ہدایت کی طرف بلایا گیا۔ خدا کے راستے پر چلنے والوں کی یہی آخری منزل ہے۔

الضَّآلِّيْن: سورۃ فاتحہ میں خدا تعالیٰ نے عیسائیوں کا نام **الضَّآلِّيْن** (گمراہ لوگ) رکھا ہے۔ **ضَآلِّيْن** سے پناہ مانگنے کی دُعا ایک پیشگوئی کے رنگ میں ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کے زمانے میں تو عیسائی بہت کمزور تھے لیکن خدا تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ قوم ایک دن ترقی کر کے تمام دنیا میں پھیل جائے گی اور اپنے مذہب میں داخل کرنے کے لیے ہر تدبیر اختیار کریں گے۔ **ضَآلِّيْن** میں جس گمراہی کی طرف اشارہ ہے وہ حیاتِ مسیح (حضرت عیسیٰ کا زندہ ہونا) کا عقیدہ ہے۔ جو کہ تمام گمراہیوں کی جڑ ہے۔ اگر وہ حضرت عیسیٰ کو جسم سمیت آسمان پر نہ چڑھاتے تو وہ انہیں معبود بھی نہ ٹھہرا سکتے۔ اور جب تک وہ اس عقیدے کو چھوڑ نہ دیں توحید کی طرف لوٹ نہیں سکتے۔

مَغْضُوْبِ عَلَيْهِم۔ سے مراد یہودی ہیں۔ یہودیوں پر اس دنیا میں خدا کا غضب بھڑکا اور طاعون نے ان کو تباہ کیا۔ اس میں بھی ایک پیشگوئی ہے کہ آخری زمانہ میں ہزارہا مسلمان کہلانے والے یہودی صفت ہو جائیں گے۔ **مَغْضُوْبِ عَلَيْهِم**۔ سے مراد وہ مسلمان ہیں جو خدا کے احکام اور فرائض کے ترک کرنے میں یہود سے مشابہ ہو گئے۔ نہ نماز پڑھتے ہیں، نہ روزہ رکھتے ہیں، نہ ہی موت کو یاد رکھتے ہیں۔ انہوں نے دنیا کو اپنا معبود بنالیا ہے اور دن رات اسی کے لیے کام کرتے ہیں۔

الغرض **غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِم وَلَا الضَّآلِّيْن**۔ میں ان گروہوں سے بچنے کی دُعا کے ساتھ ایک بہت بڑی پیشگوئی بھی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ دُعا سکھائی کہ خدا تعالیٰ ہمیں بچانا کہ ہم اس قوم میں سے ہو جائیں جس پر دنیا میں ہی تیرا عذاب نازل ہوا۔ جیسا کہ یہودی حضرت مسیح کے وقت میں

طاعون سے ہلاک ہوگئے۔اور ایسے گروہ سے بھی بچانا جو عیسائیوں کو رنگ میں ہو جائے گا جو اپنے فسق و فجور (گناہوں) کی وجہ سے بے نصیب ہو گئے۔اس آیت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ اُمت یعنی مسلمانوں میں سے لوگ ان تینوں گروہوں یعنی انعام یافتہ، **مَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِم** اور **وَلَا الضَّآلِّيۡن** میں سے ہو جائیں۔

سورۃ الفاتحہ میں انسان کے لیے سبق:

سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چار بنیادی صفات بیان کی ہیں۔**رَبِّ الۡعٰلَمِيۡن، اَلرَّحۡمٰن، الرَّحِيۡم، مَالِكِ** ۔

یہ گویا اللہ تعالیٰ کے اخلاق ہیں انسان کو ان سے حصہ لینا چاہیے۔

پہلی صفت **رَبِّ الۡعٰلَمِيۡن** ہے جس میں تمام مخلوقات شامل ہیں۔اس لیے مومن کو تمام مخلوقات سے ہمدردی کرنی چاہیے۔

دوسری صفت رحمٰن کی ہے۔جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جاندار مخلوق سے خاص طور پر زیادہ ہمدردی کرنی چاہیے۔اور رحیم میں اپنی نوع ہمدردی کا سبق ہے۔

یعنی کسی کے نیک کام میں اس کام کی تکمیل کے لیے مدد کرنا۔اللہ تعالیٰ نے اگر انسان کو کئی صلاحیتیں دی ہیں اور کسی قابل بنایا ہے تو دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔

شعبہ تربیت

عبادات

دنیا کے تمام مذاہب میں عبادت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔عبادات انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور اس کی روح کی پکار ہے۔اس کے معنی کسی اعلیٰ ہستی کی اطاعت میں اپنے وجود کو لگا دینے اور اُس کے احسانوں کا شکریہ ادا کرنے اور اس کی مہربانیوں اور اُس کے ساتھ اظہار وفا اور عقیدت مندی ظاہر کرنے کے ہیں۔اس لحاظ سے عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی ہے کیونکہ وہی ازلی و ابدی خدا ہے۔جو ہر قسم کے نقص سے پاک اور تمام خوبیوں کا مالک ہے۔وہ ایک ہے اور اُس جیسا کوئی نہیں۔

حمد و ثنا اُسی کو جو ذات جاودانی ہمسر نہیں ہے اُس کا کوئی نہ کوئی ثانی

عبادات کی اصلی غرض اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا اپنے اخلاق کو پہچاننا اور اپنے خدا سے ملاقات کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:۔

وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ O

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔(51:57)

عبادت کو دو حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔: حقوق اللہ اور حقوق العباد

اگر حقوق اللہ کو پیش نظر رکھا جائے تو آنحضرت ﷺ کی درج ذیل حدیث عبادت الٰہی پر بخوبی روشنی ڈالتی ہے:

''حضرت ابنِ عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے۔اوّل یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کا رسول ہے۔دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکوٰۃ دینا چوتھے بیت اللہ کا حج کرنا۔، پانچویں روزے رکھنا۔''